دینی مدارس میں مروجہ نصاب،عصری مسائل اور تقاضے
ایک تحقیقی مطالعہ

*عبدالقادر بزدار

**محمد اکرم رانا

***سعیدالرحمٰن

Abstract

For the teaching of Islamic tenets, the religious scholars established madrasas in the far and wide of the subcontinent. These religious institutions conducted researches and imparted religious training to the masses at large. With sagacity, these scholars revived Islamic society in this region and harmonized the curriculum of their madrasas with the requirements of the day. This bright aspect of Muslim history in India linked it with the era of the Holy Prophet (P.B.U.H.). These madrasas kept on their mission even after the creation of Pakistan. But in every new age, it was realized that these institutions, in spite of their efforts, lagged behind in effective syllabi, efficient management and discipline. The need of designing an integrated curriculum was also felt. With this point of view the scholars of various sects were brought under one roof by the late general Zia-ul-haq and after detailed and minute deliberations, the federating bodies of these madrasas were established on permanent basis.In the present age, the religious institutions are facing a multitude of problems. As our topic is related only to the curriculum, we shall concentrate on the issues directly related to the curriculum of these madaris.

*اسسٹنٹ پروفیسر، پوسٹ گریجوایٹ سنٹر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان

**پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

***چیئرمین،شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

تعارف:

دینی مدارس جنہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں کلمہ حق کو بلند کرنے کے کام کو جاری رکھا تھا، قیام پاکستان کے بعد بھی ان میں اکثر ادارے اسی ڈگر پر چلتے ہوئے لوگوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے رہے لیکن ان سرگرمیوں، نصابات اور دیگر معاملات میں تنظیم اور ربط کا فقدان تھا۔ ہر ادارہ اپنی مرضی اور ضروریات کے مطابق نصاب پڑھاتا تھا۔ بعدازاں مدارس میں تنظیم اور مربوط نصاب سازی کا رجحان پیدا ہوا جس کی بناء پر چند مسالک کے لوگوں نے اپنی تنظیمات قائم کیں۔ چونکہ یہ وفاق اور تنظیمات حکومتی سرپرستی سے محروم تھیں، نہ ہی ان کی اسناد کی اہمیت تھی اس لئے عملاً ان کی سرگرمیاں انفرادی ہی تھیں۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دورِ حکومت میں ان مدارس کی سرگرمیوں کو منضبط کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا۔ طویل بحث ومباحثہ اور غور وفکر کے بعد مدارس کے وفاق بنائے گئے جو مسلکی بنیادوں پر قائم ہوئے۔ ان وفاقوں کی جاری کردہ اسناد کو ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کرلیا گیا۔ اس سے جہاں ان مدارس کی ڈگری کی اہمیت پیدا ہوئی وہاں ان کے نصابات، نظم وضبط اور طلباء کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا، گویا اس فیصلے س مدارس اسلامیہ کو نشاۃِ ثانیہ ملی۔

اس وقت ملک میں مندرجہ ذیل وفاق کام کررہے ہیں۔

۱۔ وفاق المدارس العربیہ۔۔۔۔۔۔۔۔برائے دیوبندی مدارس

۲۔ وفاق المدارس السّلفیہ۔۔۔۔۔۔۔۔برائے اہلحدیث مدارس

۳۔ تنظیم المدارس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔برائے بریلوی مدارس

۴۔ وفاق المدارس الشیعہ ۔۔۔۔۔۔۔۔برائے شیعہ مدارس

۵۔ رابطۃ المدارس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔برائے جماعت اسلامی مدارس

موجودہ صورتحال میں دینی مدارس کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارا موضوع دینی مدارس کے نصاب کے حوالے سے ہے۔ لہٰذا ہم صرف ان ہی مسائل پر بحث کریں گے جن کا براہ راست تعلق دینی مدارس کے نصاب سے ہے۔

(i) دینی مدارس کا نصاب اور جدید علوم

(ii) جدید ذرائع ابلاغ اور دینی مدارس

(iii) انگریزی زبان اور دینی مدارس

(iv) دینی مدارس میں تحقیق وتخصص

(v) دینی مدارس میں تاریخ اور مذاہب عالم کا مطالعہ

i۔ دینی مدارس کا نصاب اور جدید علوم:

جب ہم وفاق ہائے مدارس، تنظیم المدارس اور رابطۃ المدارس کے نصاب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان نصابات میں سائنسی علوم سے بالکل بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ سائنس سے تغافل کا یہ عالم ہے کہ مدارس کے طلبہ بنیادی سائنسی اصطلاحات سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ اگرچہ کچھ مدارس نے سائنسی علوم کی تدریس کا آغاز کر دیا ہے، لیکن سائنسی علوم کی تدریس برائے نام ہی ہے، اور تمام تر توجہ دینی علوم پر ہی ہے۔ بے شک تمام تر توجہ دینی علوم پر ہی ہونی چاہیے لیکن دورِ جدید ایک پیچیدہ دور ہے۔ اس دور کے ادارے، تصورات اور معاملات اتنے پیچیدہ ہیں کہ اس کیلئے بڑی خصوصی مہارتیں درکار ہیں۔ دینی مدارس میں اس وقت مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں وہ اپنے وقت کے لحاظ سے مفید تھیں، لیکن ان کتابوں کے لکھے جانے کے بعد میں علوم وفنون میں جونئ تحقیقات ہوئی اور ہر علم میں نئے نئے شعبوں کا اضافہ ہوا ہے علماء کرام کو ان سے لاتعلق رکھنا عصر حاضر کے تقاضوں کے منافی ہے۔(1)

پروفیسر بختیار حسین صدیقی لکھتے ہیں کہ:

''قرآن نے وحی کے علاوہ تاریخ اور فطرت کو بھی علم کو ذریعہ بتایا ہے تاریخ کو اس نے ''ایام اللہ'' کا نام دیا ہے۔ اسی طرح فطرت یعنی انفس اور آفاق میں بھی اس نے اللہ کی نشانیاں دکھانے کا وعدہ کیا ہے۔ قرآن کی اس واضح یاد دہانی کے باوجود درسِ نظامیہ کے کسی نصاب میں نہ تاریخ اور معاشیات وعمرانیات پڑھانے کا اہتمام کیا گیا، نہ اپنے من میں ڈوب کر راز زندگی پانے کی تربیت کیلئے تصوف واخلاق کی کتب نصاب میں رکھی گئیں اور نہ مناظرِ قدرت میں صانع کا جلوہ دیکھنے کیلئے طبعیات، نباتات، حیوانیات اور بحریات وغیرہ کے طبعی علوم کی طرف توجہ دی گئی۔ اسلام کا ظہور عقلِ استقرائی کا ظہور ہے۔ درسِ نظامیہ کی تدوین کرنے والوں نے یونان سے برآمد کی ہوئی عقل نظری (Theoretica Reason) کی نشو ونما کو تعلیم کی اصل غایت قرار دے کر قرآن کی استقرائی روح کو پامال کیا۔ انہوں نے تعلیم کو صرف عقل نظرت کی تربیت تک محدود رکھا۔ فکر وفہم کی نشو ونما کیلئے منطق وفلسفے کا بے حد اہتمام کیا، لیکن قوتِ مشاہدہ اور وجدان کی ترتیب کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ بصارت اور بصیرت دونوں سے ہمیں محروم رکھا جس کے مہلک نتائج آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں''۔(2)

دینی مدارس کے نصاب اور سائنسی علوم کے بارے میں مختلف علماء کرام کا نقطہ نظر:

۱۸/جنوری ۲۰۰۲ء کو مسجد عمر بن خطابؓ، دوحہ قطر میں خطبہ جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے محمد یوسف

القرضاوی فرماتے ہیں کہ:

''ہم یہ چاہتے ہیں کہ دینی تعلیم بند حصار سے باہر نکل آئے اور جمود سے چھٹکارا پائے اور علم کو وسیع تر آفاق پر محیط کرے۔ بعض دینی مدارس عصری علوم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ وہ جغرافیہ سے نابلد ہیں، نہ فزکس کی معرفت ہے، نہ کیمیا، نہ علوم حیاتیات کے ہی مبادیات سے واقف ہیں۔ انسان اگر ان اہم علوم کے مبادی سے ناواقف ہو تو اس دور میں کیسے جی سکتا ہے۔ جب ہم بعض مسائل پر گفتگو کرتے ہیں، جن کا تعلق عصری علوم سے ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کے فارغ التحصیل صحیح صورتحال کو سمجھ نہیں پاتے۔ ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ مفتی کیلئے ضروری ہے کہ وہ نصوصِ دین کی طرح مسئلے کی حقیقی صورتحال سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو۔ دین اور عصر حاضر کے علوم میں مہارت کے بغیر صحیح فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ روایت ہلال کے مسئلے سے آگاہی ممکن نہیں جب تک علم فلکیات سے واقفیت نہ ہو۔ جب تک ہم نہیں جانتے کہ فلکیات کیا ہے؟ چاند گرہن اور سورج گرہن کیا ہے؟ اور شمس وقمر کی گردش کس حساب میں ہے تو پھر کیسے کوئی حتمی رائے قائم کر سکتے ہیں''۔(3)

''نصاب تعلیم میں زیادہ تر دینی اور دنیاوی تعلیم کے فرق کی بات کی جاتی ہے، اور بس ایک حد تک ہی سہی ہو سکتی ہے، اصل مسئلہ نظریاتی اور تجرباتی تعلیم کا ہے، نظری تعلیم خواہ دینی ہو یا دنیاوی پوری قوم کے تقاضوں کو پوری کر تجی ہے، نہ عصری مطالبات کو۔ تجرباتی تعلیم کو اب سائنس سے زیادہ ٹیکنالوجی کی تعلیم کہنا چاہیے۔ وہ کسی قوم کی ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط رکھنے اور مستحکم کرنے کیلئے ضروری ہے اور اس سے زیادہ اسکی اہمیت یہ ہے کہ وہ دشمن اور حریف کو اس کے حدود میں رکھنے کیلئے ناگریز ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں منجنیق جیسی ٹیکنالوجی کی تعلیم وتربیت کا اہتمام اور خلافت اسلامی کے ادوار میں انجینئرنگ، میڈیسن، فلکیات وہندسہ اور جغرافیہ وغیرہ کی عملی تربیت سے پوری دلچسپی ان کی سرفرازی کی باعث بنی تھی، عہد انحطاط وزوال میں امت کی اس سے غفلت ومحرومی ذلت ادبار اور محکومیت لے کر آئی۔''(4)

''دینی مدارس کے نصاب میں اب سائنس وٹیکنالوجی سے وابستہ علوم فنون شامل کرنے ضروری ہیں یہ حیرت کی بات ہے کہ قدیم مدارس میں ریاضی وحسابکی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی موجودہ دینی مدارس میں اسکی سدھ بدھ بھی نہیں رہی۔ اس سے بے اعتنائی دینی مدارس کیلئے زہر قاتل ہے ہی امت اسلامی کی بربادی اور ہلاکت کی باعث بھی ہے۔(5)

دینی مدارس اور جدید علوم کے حوالے سے پروفیسر خورشید احمد فرماتے ہیں کہ:

''ہمیں ایسی قیادت چاہیے جو دین کے فہم وادراک کے ساتھ ساتھ وقت کے تقاضوں کو سمجھتی ہو اور دینی

فہم وفراست کے ساتھ ان مسائل ومعاملات کا درست جواب دینے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو۔ بلاشبہ معاشرتی زندگی کے ہر شعبے کیلئے اسپیشلسٹ اور خصوصی ماہرین چاہئیں تاکہ وہ قیادت کی ذمہ داریاں ادا کرسکیں۔ اس میں معیشت کا شعبہ ہو یا سائنس، ادب، فوج، سیاسیات قانون، ٹیکنالوجی کا میدان، ہر شعبے میں دین اسلام کے تقاضوں کے مطابق اور امت مسلمہ کے خوابوں کی تعبیر والے ایسے ماہر اور قائد پیدا ہوں، جو ایک طرف اپنے فن میں پوری استعداد رکھتے ہوں، تو دوسری طرف ان کا ایمان، فہم دین، اپنے علم اور اپنے شعبے کو مقصد حیات سے مربوط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو'۔(6)

''سچی بات یہ ہے کہ دورِ جدید ایک پیچیدہ دور ہے۔ اس دور کے ادارے، تصورات اور اس دور کے کے معاملات اتنے پیچیدہ ہیں کہ اس کیلئے بڑی خصوصی مہارتیں درکار ہیں۔ اس وقت پاکستان میں مثال کے طور پر ''بلا سود بنکاری'' کے تقاضوں کو مکمل طور پر سمجھتے ہوں، اس طرح کہ دنیا بھر کی سطح پر بینکاری سے مقابلہ کرسکیں۔............ جہاں فنی مہارتیں ہیں وہاں بدقسمتی سے شریعت کا علم نہیں ہے اور جہاں شریعت کا علم ہے وہاں جدید فنی مہارتیں نہیں ہیں۔ تو کیا یہ ہم پر فرض کفایہ نہیں ہے کہ ہم شریعت کے ایسے متعمق ماہرین پیدا کریں جو دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذوق ومزاج کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے معیار کی فنی مہارت رکھتے ہوں''۔(7)

ڈاکٹر محمود احمد غازی مزید فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے ہاں دینی تعلیم کے متخصصین، محدثین، مفسرین اور فقہاء پیدا کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنایا جائے۔ پاکستان کے مسلمانوں کو صحیح مسلمان بننے میں مدد دی جائے، امت مسلمہ کی تشکیل صرف ان خطوط پر ہو جو قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں۔ اگر یہ مقصد ضروری ہے تو بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بنکاری نظام کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کیلئے ہمیں ایسے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے جو صحیح معنوں میں فقہی تخصص اور تعمق (Depth) رکھتے ہوں، اور جدید بنکاری نظام سے بھی ضروری کی حد تک واقف ہوں؟ میں یہ نہیں کہتا اور کوئی بھی نہیں کہتا کہ خدانخواستہ فقہ، حدیث کی تعلیم ختم کرکے ان کو بنکار اور اکانومسٹ بنا دیا جائے۔ بینکار اور اکانومسٹ الگ رہیں گے، ان کو بھی شریعت اور اسلام کا بنیادی فہم دینے کی ضرورت ہے، جیسا کہ ماضی میں اسلامی کے متخصصین نے کیا''۔(8)

دینی مدارس اور جدید علوم کے حوالے سے ڈاکٹر محمد امین فرماتے ہیں کہ:

''......اور نہ ہی جدید علوم کا وہاں سے گزر ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ دینی مدارس کے ہر طالب علم کو جدید

علوم کا ماہر ہونا چاہیئے، بلکہ جو بات ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے ہر طالب علم کو جدید علوم کا تعارفی مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے تا کہ اسے یہ تو پتہ چلے کہ جس دنیا میں وہ رہ رہا ہے وہ کیا سوچتی ہے؟ اور ایسا کیوں کر سوچتی ہے؟'' (9)

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر دینی مدارس نے اس وقت کے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہے تو ان اپنے نصاب میں جدید علوم کو شامل کرنا ہوگا۔

دینی مدارس کے نصاب میں جدید سماجی علوم مثلاً سیاسیات، نفسیات، معاشیات اور بین الاقوامی امور کا تعارفی اور تنقیدی مطالعہ شامل ہونا چاہیئے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں کہ:

''اہل علم اور علماء کیلئے ضروری ہے کہ وہ مغربی علوم وفنون کا تنقیدی انداز میں مطالعہ کریں۔ان کے پانچ علوم ایسے ہیں جو اس وقت کے سب سے زیادہ غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں۔ جتنا کفر الحاد اس دور میں پھیلا وہ اکثر و بیشتر انہی پانچ علوم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔علم نفسیات، علم بشریات، علم عمرانیات، علم سیاسیات، علم معاشیات علماء کرا کو ان پانچ علوم کا مطالعہ کر کے ان میں موجود غلط اساسات وتصورات کی تردید عقلی انداز میں دلائل وشوائد کے ساتھ کرنی چاہیئے۔'' (10)

ڈاکٹر محمد امین فرماتے ہیں کہ:

''اسلام اور مغربی تہذیب کے تعامل/ تصادم سے پیدا ہونے والے مسائل کا تفصیلی مطالعہ بھی اس نصاب کا ایک جزو ہونا چاہیے، نیز اس مطالعے میں صرف مغربی فکر اور علوم کا تعارف ہی مقصود نہیں بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ اور تنقید بھی اس میں شامل ہونی چاہیے تا کہ طلبہ پر مغربی فکر کی کمزوری اور اس کے مقابلے میں اسلامی فکر کی برتری اور حقانیت دلائل سے واضح ہو جائے۔''

''یہ تعارفی مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ علماء جس دنیا میں رہ رہے ہیں اسے سمجھ سکیں۔ نیز اس وقت اسلم اور اسلامی دنیا کا سب سے بڑا علمی وفکر ہی نہیں عملی مسئلہ مغرب اور مغربی تہذیب کا عملی تفوق ہے۔ لہٰذا جب تک ہم چیلنج اور اس کی نوعیت کو نہیں سمجھیں گے اور اس کا ادراک نہیں کریں گے ہم اس چیلنج کا جواب کیسے دیں سکیں گے اور اسلام کو موجودہ فضاء میں قابل عمل کیسے ثابت کر سکیں گے اور اسے عملاً غالب کرنے کیلئے صحیح رخ میں جدو جہد کیسے کر سکیں گے۔'' (11)

ii۔ جدید ذرائع ابلاغ اور دینی مدارس:

ذرائع ابلاغ کسی تصور یا فکر کی اشاعت میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ یہ ذرائع کسی قوم کے مزاج کو بگاڑنے اور سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ کی اہمیت کے بارے میں مولانا سید جمال الدین عمری کہتے ہیں:

''خیالات و جذبات کے بنانے اور بگاڑنے میں پبلسٹی کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ آدمی کے پاس فکر، احساس اور جذبات کا جو کچھ سرمایہ ہے نشر و اشاعت کے ذرائع اس کا مصرف متعین کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس پونجی کو کس جذبہ کی تسکین میں لگانا چاہیئے''۔(12)

حافظ حسن مدنی فرماتے ہیں کہ:

''اگر میڈیا کے اہم کردار کو دیکھا جائے تو اس کی حیثیت انسانی جسم میں موجود اس عصبی نظام کی طرح ہے جو تکلیف کے احساسات دماغ تک منتقل کرتا ہے اور دماغی اسی عصبی نظام کے ذریعے اس کے تدارک کا انتظام کرتا ہے۔ اگر یہ نظام معطل ہو جائے تو جس طرح ایک انسان موت کو گلے لگا لیتا ہے، اسی طرح میڈیا کا یہ نظام خراب ہو جائے تو انسانی معاشرہ ہلاکت سے دوچار ہو جاتا ہے''۔(13)

عصر حاضر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مشینی ذرائع آمد و رفت، تیز رفتار بری و بحری، فضائی، مواصلاتی وسائل نے اس دور میں پوری دنیا کو ایک گھر (Global Village) بنا دیا ہے اس طرح ذرائع ابلاغ، پیغام رسانی کی سمعی و بصری طلسماتی سرعت اس دور کا سب سے بڑا عجوبہ ہے۔

ذرائع ابلاغ کے سلسلے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ:

''اس تلخ، خوفناک، ہلاکت آفرین اور گہری کشمکش کا سرچشمہ اطلاعات و نشریات اور صحافت کے ادارے اور ٹیلی ویژن ہوتے ہیں۔...... پریس یا جرنلزم جو بہت سے لوگوں کی نگاہ میں (His majesty) سے کم نہیں، ہمارے نوجوانوں کو صبح سویرے نہار منہ اور قبل اس کے وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں، فاسد اور متعفن غذا دیتا ہے اور ان کے سامنے جذبات کو برانگیختہ کرنے والا مواد پیش کرتا ہے، سب سے پہلے جس چیز پر ان کی نگاہ پڑتی ہے وہ کسی عورت کی برہنہ تصویر یا فحش عنوانات، ایسے مضامین اور تبصرے ہوتے ہیں جو ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں اور ایمان و اعتماد کی بنیادوں کو متزلزل کرتے ہیں۔''(14)

ابلاغ کے جدید ذرائع دوسری قوموں کو محکوم بنانے اور ان پر اجنبی تہذیب و ثقافت مسلط کرنے کیلئے بے

دریغ استعمال کیے جا رہے ہیں، اور اس کا اولین ہدف مسلمان خصوصاً ترقی پذیر ممالک کے مسلمان ہیں۔
چنانچہ حافظ حسن مدنی فرماتے ہیں کہ:

''دنیا میں ایک حکومت تو عسکری برتری کے نتیجے میں قائم ہوتی ہے یہ کسی قطعہ زمین پر ہوتی ہے۔لیکن حکومت کی ایک قسم ذہنوں پر حکومت کرنا اور ان کے طرزِ فکر پر تسلط جمانا ہے۔ زمینی سرحدوں کی طرح نظریاتی سرحدیں بھی ہوتی ہیں، عسکری جارحیت کی طرح نظریاتی یلغار بھی ہوتی ہے۔عسکری جارحیت اور دفاع میں فوج بنیادی کردار ادا کرتی ہیں جب کہ غزوِفکری میں قومی کے دانشور اساسی کردار ادا کرتے ہیں۔اس ماڈرن دور میں زمینوں پر حکومت تو ختم ہوجاتی ہے لیکن ذہنوں پر تحکم اور تسلط برقرار رہتا ہے۔آج بالخصوص اسلامی دنیا مغرب کے ذہنی تسلط اور فکری محکومی کا شکار ہے۔اس فکری محکومی کے عناصر اور مراکز میں ٹی وی، فلم، اخبارات، اشتہارات اور انٹرنیٹ وغیرہ شامل ہیں''(15)

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ امریکہ سے شائع ہونے والا ہفت روزہ ''ٹائم'' دنیا کے ہر کونے میں پڑھایا جاتا ہے۔کم وبیش ہر ملک میں اس کے نمائندے موجود ہوتے ہیں جن کی مجموعی تعداد کئی ہزار ہے۔حکمران طبقہ، بیورو کریسی، امراء اور اخباری صنعت سے وابستہ ایک بڑی تعداد اس کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتی ہے۔اس کی اشاعت 50 لاکھ (قارئین 3 کروڑ) ہے۔دنیا بھر کے دوصد سے زائد نمایاں ترین قومی اخبار نیویارک ٹائم، واشنگٹن پوسٹ، لاس اینجلس نیوز سروس سے خبریں وصول کرتے ہیں۔ یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل (UPI) 48 زبانوں میں خبریں جاری کرتا ہے۔رائٹر کم وبیش 10 ہزار اخبارات کو روزانہ خبریں فراہم کرتی ہے اور ایک ارب سے زائد افراد (تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ) ان خبروں کو موضوع بحث بنانے ہیں اور ان کے اثرات قبول کرتے ہیں، اور شعوری یا لاشعوری طور پر ان کے رنگ میں رنگتے چلے جاتے ہیں۔ برطانیہ سے شائع ہونے والے جریدے اکانومسٹ کے خریدار 8 لاکھ 45 ہزار ہیں۔ نیوز ویک کی اشاعت ۳۲ لاکھ اور ۱۲ ایڈیشن نکلتے ہیں۔وائس آف امریکہ سننے والوں کی تعداد ۹ کروڑ سے متجاوز کر گئی ہے۔بی بی سی کی نشریات سننے اور دیکھنے والے بلاشک وشبہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں وال سٹریٹ جنرل کی روزانہ اشاعت 18 لاکھ ہے۔ریڈرڈ ائجسٹ 16 زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔وائس آف امریکہ کی نشریات 52 زبانوں میں ہوتی ہیں۔اس کے مقابلے میں اسلامی دنیا سے شائع ہونے والے رسائل وجرائد کا جائزہ لیا جائے تو افسوس ناک صورتحال سامنے آتی ہے کہ ساری اسلامی دنیا میں کوئی ایسا اخبار نہیں نکلتا جس کی روزانہ اشاعت 15 لاکھ ہو۔دنیا بھر کے 50 فیصد سے زیادہ اشاعت والے اخبارات کا موازنہ دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ

اسلامی دنیا سے شائع ہونے والا کوئی اخبار فہرست میں نہ آسکا۔(16)

عصر حاضر کے ذرائع ابلاغ کی طرف توجہ اور اعتناء دعوت وتبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے بے حد ضروری ہے۔میڈیا کے ہمہ گیر اثرات کے سلسلہ میں مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن ندویؒ اپنا ذاتی بیان کرتے ہیں کہ ۳۴ء سے ۳۹ء تک جب آپ نے ندوۃ العلماء میں تفسیر قرآن کی تدریس شروع فرمائی تو آپ کی سب سے بڑی دلچسپی و لذت طلبہ میں قرآن فہمی اور عربی کا ذوق پیدا کرنے کی تھی۔اس میں آپ کی کوشش ومحنت کا خود آپ کے الفاظ میں یہ حال تھا ''اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیتا اور بعض اوقات خیال یہ ہوتا کہ آج کے درس سے شاید دور ودیوار پر بھی نشان بن گئے ہوں گے لیکن طلبہ کے دل ودماغ پر اس کے اثرات نظر نہیں آتے'' اس کی وجہ سے خود مولانا کے الفاظ میں سنیے۔

''خارجی ماحول کا فساد، عام فضا میں پھیلے ہوئے انتشار انگیز وتخریبی اثرات (جو مطالعہ کی کتابوں، لٹریچر اور اخبارات، ناولوں اور ترقی پسند لادینی ادب کے ذریعہ آنکھوں اور کانوں کے راستے طلبہ کے دل ودماغ میں نفوذ کرتے رہے ہیں) اور جتنی صالح خوراک طلبہ کو اس درجے میں دی جاتی ہے، اس سے کئی گنا ان کے اندر مختلف راستوں سے پہنچ جانے والا زہر ان کی کوششوں کو با آور نہیں ہونے دیتا''۔(17)

ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی اہمیت، عالمی سیاست پر اس کے اثرات کے پیش نظر مندرجہ ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

۱۔ دینی مدارس کے نصاب میں ''ذرائع ابلاغ'' کی جدید ترین تعلیمی کا انتظام ہو اور ایسے ماہرین تیار ہوں جو مغربی رپورٹروں اور تجزیہ نگاروں سے زیادہ جان فشانی سے کام کریں اور دنیا کو واقعات کی حقیقی شکل سے بھی روشناس کرائیں۔

۲۔ بین الاقوامی سطح پر دینی مدارس کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے کیلئے اور دنیا میں دینی مدارس کی اصل روح اور مقصد کو پیش کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی بین الاقوامی سطح کا جریدہ ضرور شائع ہونا چاہیئے۔

۳۔ انٹرنیٹ کے تکنیکی دائرہ کار کا بغور جائزہ لے کر اندر زہ لگانا چاہیے کہ اسلام کا پیغام پھیلانی، اسلامی تہذیب وثقافت کو متعارف کرانے اور اسلام کی حقیقی صورت کو پیش کرنے کیلئے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔بہرحال یہ کام فرد نے کرنا ہے۔اگر فرد میں ایمان، فہم، شعور، قوت استدلال، راست نقطہ نظر اور موزوں لب ولہجہ میں بات کرنے کی صلاحیت موجود ہے تو وہ اسلام کا سفیر بن کر اس میدان میں قابل قدر خدمات انجام دے سکتا ہے۔اسلام کے یہ سفیر دینی مدارس نے ہی پیدا کرنے ہیں۔جن میں جدید

اور بین الاقوامی نزاکتوں کوملحوظ رکھنے والے اسلوب نگارش پر گرفت بھی ہونی چاہیے۔ یہ چیز مسلسل مشق، تحقیق، مشاورت اور رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ چاہتے یا نہ چاہتے کے باوجود وقت کے اس چیلنج کو دینی مدارس نے قبول کرنا ہے۔(18)

iii۔ انگریزی زبان اور دینی مدارس:

آج سب سے بڑا مسئلہ مغربی الحاد اور مغرب کی فکری یلغار کا ہے جس نے ہماری نئی نسل خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ایسی حالت میں اس فتنہ کی نشر و اشاعت کی کلیدی زبان سے ہماری دینی مدارس کے فضلاء کی مکمل بے خبری کی وجہ سے بے شمار مسائل نے جنم لیا۔ قرآن حکیم بار بار ''وما ارسلنا من رسولٍ الا بلسانِ قومہٖ''۔(19) کہ ہر رسول کو ہم نے اس کی قومی زبان میں بھیجا) کہہ کر گویا ہدایت کر رہا ہے کہ قرآن کا پیغام دعوت پہنچانے والوں کو اس ملک اور قوم کی زبان سے واقفیت از حد ضروری ہے، اور چونکہ آج پوری دنیا ایک گھر (Global Village) کی حیثیت اختیار کر چکی ہے تو ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اس دنیا میں اسلام کے آفاقی پیغام کو پہنچانے کیلئے ان کی زبان سے واقفیت حاصل کریں۔

انگریز کے دور کے شروع میں جب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تو انہوں بے بزور کہا ''جاؤ انگریزی کالجوں میں پڑھو اور انگریزی زبان سیکھو، شرعاً جائز ہے''۔ چنانچہ آپ کے خانوادہ کے تربیت یافتہ مولانا مملوک علی (جو بانی دار العلوم دیو بند مولانا قاسم نانوتویؒ اور سر سید احمد خان کے استاد ہیں) بھی دلی میں کالج میں پڑھاتے رہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن (۱۸۵۱-۱۹۲۰ء) نے جامعہ ملیہ کے (قیام ۱۹۲۰ء) خطبہ افتتاحیہ فرمایا:

''آپ میں جو حضرات محقق ہیں اور باخبر ہیں، وہ جانتے ہیں کہ میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی اجنبی زبان سیکھنے نہ یا دوسری قوم کے علوم وفنون سیکھنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا''۔(20)

دینی طبقے اور انگریزی زبان کے درمیان پیدا شدہ فاصلے کے حوالے سے پروفیسر سید محمد سلیم لکھتے ہیں کہ:

''یہ پروپیگنڈا بے بنیاد ہے کہ (ہندوستان کے) علماء نے انگریزی سیکھنے کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ انگریزی سیاست کاری نے جہاں یہ جھوٹ پھیلایا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے، وہاں یہ جھوٹ بھی پھیلایا کہ علماء نے انگریزی سیکھنے کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ دو صدیاں گزر چکی ہیں، آج تک کسی نے وہ فتویٰ پیش نہیں کیا۔ اس کے برخلاف فقہ حنفی کے مشہور عالم ملا علی بن محمد سلطان معروف بہ علی قاری (م: ۱۶۰۶ء) نے مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا:

''شعریعت کے اصولوں کے مطابق کسی بھی زبان کا سیکھنا حرام نہیں ہے۔ وہ سریانی یا عبرانی، ہندو یا ترکی فارسی یا کوئی اور ہو''۔ اسلام ایک آفاقی دین ہے۔ وہ اجنبی زبانوں کے سیکھنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ وہ تمام قوموں، زبانوں، ملکوں اور زمانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے''۔(21)

موجود زمانے میں ایک کامیاب رہبر اور دینی رہنما کیلئے دینی علم اور جدید علم سے شناسائی بہت ضروری ہے۔ اس لئے ہر طالب علم اپنی مادری زبان کے ساتھ ساتھ عربی اور انگریزی کا فہم حاصل کرے۔

مولانا زاہدالراشدی دینی مدارس میں زبانوں کی تدریس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''دینی مدارس میں مروجہ زبانوں پر اس درجہ کے عبور کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جارہی، کہ ایک فارغ التحصیل عالم دین کسی مسئلہ پر اپنا ماضی الضمیر انگلش، عربی یا کم از کم اُردو ہی میں شستہ انداز میں قلم بند کر سکے اور زبانی طور پر کسی علمی محفل میں سلیقے کے ساتھ اظہار کر سکے۔ اس لیے دینی مدارس میں ایسا نظام قائم کرنا انتہائی ضروری ہے کہ اُردو اور عربی دونوں زبانوں میں تحریری اور تقریری طور پر مافی الضمیر کے اظہار پر فاضلین کو دسترس حاصل ہوگی اور انگریزی بھی کم از کم اس درجہ میں لازم ہے کہ لکھی ہوئی چیز پڑھ کر اور سمجھ کر وہ اس کے بارے میں اظہار خیال کر سکیں۔''(22)

دینی مدارس میں زبانوں کی تدریس کے بارے میں ڈاکٹر محمد امین فرماتے ہیں کہ:

''اس وقت کیفیت یہ ہے کہ دینی مدارس میں انگریزی کا داخلہ منع ہے......دینی مدارس کے طلبہ کو عربی، اردو اور انگریزی تینوں زبانیں تعمق (depth) کے ساتھ پڑھائی جانی چاہیے۔ اور فارسی کا مطالعہ بھی کروانا چاہیے۔ اُردو اس لیے کہ یہ پاکستان کی قومی زبان اور عملاً ہمارے ہاں بول چال اور تحریر و تقریر کی زبان ہے، عربی اس لیے کہ ہماری امہات دینی کتب اس زبان میں ہیں اور موجودہ عالم عرب سے ہمارے دین و دنیا کے بہت سے مفادات وابستہ ہیں۔ انگریزی اس لیے کہ یہ جدید علوم اور جدید دنیا کی کنجی ہے۔ فارسی کا تعارفی مطالعہ برصغیر کی دینی اور ثقافتی تاریخ سے واقفیت کیلئے ضروری ہے۔'' (23)

iv۔ دینی مدارس میں تحقیق و تخصص:

شک کو یقین سے بدلنے کیلئے تحقیقی عمل ضروری ہے، یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کی بدولت ترقی کی مختلف راہیں کھلتی ہیں، پیچیدہ مسائل کے حل میں مدد ملتی ہے۔ انسانی ضروریات کی تکمیل اور سہولتوں کی فراہمی اس کی مرہون منت ہے۔ تحقیق کے بغیر معاشرہ جمود کا شکار ہو سکتا ہے جو کہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

چنانچہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

''قرآن، سیرت، فقہ، کلام، صحابہ، کرامؓ، تابعین، محدثین، فقہاء، غرض کہ ہر موضوع کے متعلق مستشرقین کی کتب میں اس قدر تشکیکی مواد پایا جاتا ہے جو کہ ایک ذہن اور حساس آدمی کو جو اس موضوع پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو، پورے اسلام سے منحرف کر دینے کیلئے کافی ہے۔'' ۔(24)

v۔ دینی مدارس میں اعلیٰ تعلیم:

اس وقت دینی مدارس کی بہت بڑی اکثریت ناظرہ، حفظ و تجوید یا ابتدائیہ، متوسط اور درس نظامی کے ابتدائی مدارج ثانویہ عامہ و خاصہ وغیرہ تک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بہت تھوڑے مدارس ایسے ہیں جن میں دورۂ حدیث یعنی مکمل درس نظامی کا اہتمام ہوتا ہے اور چند ایک گنتی کے بڑے مدارس ہیں جن میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد تخصص کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ عالیہ میں چونکہ زور دورۂ حدیث پر ہوتا ہے، الہٰذا تحقیق مقالہ لکھنے کی طرف توجہ بہت کم کر دی جاتی ہے یا تو لکھوایا ہی نہیں جاتا یا محض خانہ پوری ہوتی ہے۔ جدید نظام تعلیم میں ایم اے کے بعد یونیورسٹیاں جو ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں جاری کرتی ہیں وہ دونوں بنیادی طور پر تحقیقی ڈگریاں ہیں۔ اس لیے دینی مدارس کو بھی چاہیے کہ وہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کی طرز پر اپنے ہاں تحقیقی ڈگریاں متعارف کروائیں۔

تحقیق اپنے مسلک کو سچا ثابت کرنے کیلئے دلائل جمع کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ تحقیق سے مراد تلاش حق ہونا چاہیے اور اس کیلئے پہلا زینہ معروضیت اور غیر جانبداری ہے کہ کھلے دل کے ساتھ علم کا دامن تھاما جائے۔ اسلئے مناسب ہوگا کہ شروع میں ایسے تحقیقی مقالات لکھوائے جائیں جن میں مقارنے کا اہتمام ہو، تاکہ اختلافی معاملات میں دوسروں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے اور وزن دینے کا رجحان پیدا ہو۔(25)

ضرورت اس امر کی ہے کہ تحقیق کے ذریعے ایسی مشکلات کا خاتمہ کیا جائے اور ترقی کے زعم میں ماضی سے کٹنے کی بجائے اسی کا ارتقاء اور اس سے قرب کے راستے دریافت کیے جائیں۔ ایسے موضوعات میں وہ تمام عنوانات شامل ہو سکتے ہیں جن میں مختلف مکاتب فکر کے مابین حساس موضوعات پر مبنی برانصاف تحقیق کے ذریعے ہر دو فریق کیلئے معتدلانہ موقف کی نشاندہی کی کوشش کی جائے۔(26)

vi۔ دینی مدارس میں تاریخ اور مذاہب عالم کا مطالعہ:

دینی مدارس کے نصاب میں امت مسلمہ کی تاریخ کو شامل نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر دینی

مدارس کے طلبہ اہم تاریخی واقعات سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا رضوان القاسمی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے نصاب میں تاریخ وسیر کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے حالانکہ یہ مسلمانوں کا علماء اسلام کا خاص فن تھا اور یہ ایسا فن ہے جس کے کسی زمانہ میں غیر اہم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج اسلام کے خلاف مغربی دنیا نے جو خانہ زاد پروپیگنڈہ کر رکھا ہے، اس کی بڑی وجہ علماء اسلام کی تاریخ سے ناواقفیت اور بے اعتنائی ہے۔ سرکاری درسگاہوں میں یہ موضوع مستقل اور لازمی حیثیت سے داخل ہے، جہاں بطور خاص تاریخ اسلامی کو بگاڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے''۔(27)

مذاہب عالم کا مطالعہ کے سلسلے میں مولانا رضوان القاسمی رقمطراز ہیں:

''یہ زمانہ معروضی مطالعہ کا اور براہ راست چیزوں کو ان کے مآخذ اور اصل سے سمجھنے کا ہے۔ ہمارے دشمنوں نے اسلامیات کی تعلیم پر گہری بصیرت اور واقفیت کیلئے بڑی بڑی درس گاہیں قائم کی ہیں (مغرب کی ہر یونیورسٹی میں اسلام اور دیگر مذاہب پر شعبے قائم ہیں)۔ ہماری تاریخ، عقائد، الٰہیات، علم کلام اور فقہ وقانون پر ان کی اتنی وسیع نگاہ ہے کہ بسا اوقات حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس تعلیم کو اپنے ناپاک عزائم کیلئے استعمال کرتے ہیں اور اسلام پر خطرناک نشتر چلاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہمارے مدارس میں کچھ ایسی کتابیں پڑھائی جائیں جن میں تمام مذاہب کا تعارف، ان کے بنیادی عقائد، ان کے معاشرتی ومعاشی اصول، ان کے مذہبی پیشواؤں کی سیرت، ان کے اصل اور مستند مآخذ کے حوالے سے جمع کی گئی ہوں۔ جدید دنیا کے جو اہم معاشرتی و معاشی نظام ہیں اور جو مشہور تخلیقی و کائناتی نظریات ہیں، جیسے کارمارکس، لینن، فرائڈ، ڈارون وغیرہ کے افکار، ان سے طلبہ کو واقف کرایا جائے۔ فقہ اسلامی کے خاص خاص موضوع پر ''بین الاقوامی قوانین'' (انٹرنیشنل لاء) کا ایک سرسری مطالعہ بھی ان کی نظر سے گزر جائے۔ جب تک اس طرح کے تقابلی مطالعہ مطالعہ کا مدارس میں رواج نہ ہوگا اور تعلیم میں اس کو بنیادی اہمیت نہیں دی جائے گی، جدید چیلنج کا مقابلہ ناممکن ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ نصاب کے سلسلے میں اصلاً ان مدارس کا اقدام ہی مؤثر ہوگا جن کی حیثیت ''ام المدارس'' کی ہے''(28)

دینی مدارس طلبہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ جن دوسرے مذاہب وادیان کا براہ راست اسلام سے تصادم رہا ہے، اور جن کے تبلیغی مشن اب بھی سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل ہیں، نیز خود مسلمانوں کے فرقے اور گروہ جنہوں نے اپنے کچھ مخصوص نظریات کی بناء پر اپنا مستقل وجود میں قائم کیا ہوا ہے، ان سب کے بنیادی عقائد وافکار سے وہ

فی الجملہ واقفیت رکھتے ہوں۔ تاکہ بوقت ضرورت ان کی جواب دہی کرسکیں۔ لہٰذا دینی مدارس کے نصاب میں ''الملل والنحل'' یا ''الادیان والفرق'' کے نام سے ایک مستقل موضوع کا اضافہ ہونا چاہیے، جس میں ان ادیان و فرق کا مختصر تعارف، ان کے بنیادی عقائد وافکار اور ان کی تردید کے بنیادی دلائل بیان کر دیئے جائیں جن کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کو زیادہ واسطہ پڑتا ہے، تاکہ ان سے متعلق ضروری اجمالی معلومات ہر طالب علم کو حاصل ہوجائیں اور جن لوگوں کو بعد مین ان سے کسی مذاہب یا فرقے پر خصوصی کام کا موقع ملے، اس کیلئے یہ تعارف ایک یہ بنیاد کا کام دے سکے۔(29)

vii۔ دینی مدارس اور فرقہ واریت:

عصر حاضر میں امت مسلمہ بے شمار فرقوں میں منقسم ہوچکی ہے، کہیں کوئی سنی ہے تو کوئی شیعہ، کوئی بریلوی، کوئی دیوبندی اور کوئی اہلحدیث، الغرض مسلمان فی الوقت کئی فرقوں میں بٹ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امامت عالم کے منصب پر فائز کیا تھا۔

چنانچہ امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ:

''مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقے میں عوام سے گزر کر علماء تک ایسے غالی مل جائیں گے جو اپنے خاص طریقہ ومخصوص فرقہ کے علماء اور اپنے متعین امام پر اس طرح جامد اور ان کی عصبیت میں اس طرح گرفتار ہیں کہ ان کے دائرہ سے باہر حق وہدایت کا تصور محال ہے۔ بعض غالی تو کتاب وسنت کی قطع وبرید پر از دو صرف کر ڈالیں گے لیکن اپنے امام کے کسی قوم پر حرف نہیں آنے دیں گے''۔(30)

اس سلسلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اختلاف اگر ایمان داری کے ساتھ، دلائل کے ساتھ ہو اور اسی حد تک رہے جس حد تک فی الواقع اختلاف ہے تو اکثر حالات میں مفید ثابت ہوتا ہے لیکن کسی معاشرے میں اس سے بڑھ کر نقصان دہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ اس میں جب کسی کو اختلاف ہو تو وہ ''جنگ میں سب کچھ حلال ہے'' کا ابلیسی اصول اختیار کر کے مدمخالف پر ہر طرح کے جھوٹے الزامات لگائے، سیاسی اختلاف ہو تو اسے غدارِ وطن ٹھہرائے اور مذہبی اختلاف ہو تو اس کے پورے دین وایمان کو تہمت بنا کر رکھ دے۔ اختلاف کا یہ طریقہ اخلاقی ودینی لحاظ سے سخت معیوب اور بدترین گناہ ہے۔ دوسری اہم چیز اختلاف میں رواداری، ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش اور دوسرے کے حق رائے کو تسلیم کرنا ہے۔ کسی کا اپنی رائے کو حق سمجھنا اور عزیز رکھنا تو ایک فطری بات ہے۔ لیکن رائے رکھنے کے کے جملہ حقوق

اپنے ہی لیے محفوظ کر لینا انفرادیت کا وہ مبالغہ ہے جو اجتماعی زندگی میں کبھی نہیں نبھ سکتا۔ بدقسمتی سے ناروا داری، بدگمانی اور خود پسندی کا یہ مرض ہمارے ملک میں ایک وبائے عام کی صورت اختیار کر چکا ہے۔"(31)

viii۔ فرقہ واریت اور نصاب:

دینی مدارس کے نصاب اور فرقہ واریت کو زیر بحث لاتے ہوئے راست فکر عالم دین ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں کہ:

"درس نظامی کا ایک خاص مقصد تھا۔لیکن ہم نے اسے اور مقصد کیلئے اختیار کرنا شروع کر دیا۔اس کا اسلوب اب یہ بن گیا ہے کہ پہلے طالب علم کا ایک مخصوص ذہن بنایا جاتا ہے مثلاً حنفی ذہن، پھر دیو بندی یا بریلوی، پھر ہلکے یا گاڑھے دیو بندی یا بریلوی۔اخیر تک خوب پکا کر کے اب اسے مخصوص عینک لگا دیتے ہیں، کہ اس عینک سے قرآن پڑھو اور حدیث رسول ﷺ کو دیکھو۔حضور اکرم ﷺ کے ارشادات، جو ہر چیز سے بالاتر اور ہر چیز پر حاوی ہیں، جن کے بعد ہر چیز ختم ہے اور جن سے متعارض ہر رائے منسوخ ہو جاتی ہے، مخصوص نظریے یا رائے کے تابع کر دیئے جاتے ہیں اور ہماری حنفیت، دیو بندیت ور بریلویت کو منسوخ نہیں کر سکتے۔انہی کی روشنی میں متعارض احادیث کی تاویل ہوتی ہے، جس سے کبھی طالب علم کا ضمیر مطمئن نہیں بھی ہوتا۔لیکن زبردستی کی تاویل کر کے نعوذ باللہ رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو حنفی، دیو بندی یا بریلوی (اہلحدیث اور شیعہ) ثابت کیا جاتا ہے۔ممکن ہے کسی کو یہ الفاظ سخت معلوم ہوں لیکن افسوس کہ امر واقعہ یہی ہے"۔(32)

ix۔ دینی مدارس میں مروجہ نصاب اور عصری تقاضے:

قرآن کریم بنی نوعِ انسان کی رشد و ہدایت کے لئے ایک نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتا ہے۔اس میں وہ تمام اصول و قوانین بیان کر دیے گئے ہیں جن پر اسلام کا دارومدار ہے۔لہذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن کریم کو سمجھے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔قرآن کریم کے بعد علم کا دوسرا منبع حضور کی مبارک زندگی ہے حضور کی عملی زندگی قرآن پاک کی تفسیر ہے۔علم کا تیسرا ماخذ حضرات صحابہ کرام کی زندگی ہے۔صحابہ کرام نے قرآن پاک کو خود حامل قرآن سے سمجھا۔قرآن کریم کی علمی و عملی تفسیر خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اپنے کانوں سے سنی، اس لئے ان لوگوں کا دین اور قرآن کو سمجھا دوسروں کے سمجھنے سے زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔پھر جو لوگ ان تینوں سر چشموں سے سیراب ہو کر اسلام کے اصولوں اور روزمرہ زندگی کے مسائل کا حل قرآن و سنت کے مطابق پیش کر

سکیں۔ کیونکہ جو علم انہوں نے قرآن وسنت اور اسوہ صحابہؓ سے حاصل کیا ہے اس سے وہ اسلام کی روح تک پہنچ گئے ہیں اور ان میں یہ قابلیت پیدا ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی ایسا مسئلہ ان کے سامنے آئے جو کہ دورِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں پیش نہ آیا ہو تو وہ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں رسولؐ کا فتویٰ کیا ہوا، یا اگر صحابہؓ کے سامنے یہی معاملہ پیش ہوتا تو وہ کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، اس چیز کا نام ''اجتہاد'' ہے۔

دینی مدارس کے نصاب میں شامل علوم کا جائزہ لینا، کہ ان علوم کا فی زمانہ کیا مقام ومرتبہ ہے؟ اور یہ علوم جدید عصری مسائل کو حل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہیں، اور ان میں کس سطح کی تبدیلی کی ضرورت ہے؟

فرقہ واریت کی ترویج واشاعت:

ملک میں فرقہ واریت کی ترویج واشاعت اور اس کو پروان چڑھانے میں حکومتوں، ایجنسیوں اور غیر ملکی تنظیموں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

مولانا حافظ حسن مدنی دینی مدارس کے نصاب اور فرقہ وارانہ کشمکش کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''دینی مدارس کے نصاب کو فرقہ وارانہ کشمکش میں اضافہ کا باعث قرار دینا بھی درحقیقت تعصب، جہالت یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے، کیونکہ درس نظامی کا نصاب شیعہ، سنی دونوں طبقوں کے باہم اشتراک سے راج پذیر ہوا تھا۔ ان متعصّبانہ خیالات کے حاملین کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ درس نظامی کے نصاب کا ایک بڑا حصہ صرف ونحو اور منطق وفلسفہ پر مشتمل ہے۔ اور نصاب میں شامل صرف ونحو اور منطق وفلسفہ کی زیادہ تر کتب شیعہ مصنفین کی تالیف کردہ ہیں، جنہیں سنی بھی اہتمام سے پڑھتے ہیں۔ شیعہ، سنی نصاب میں اگر کچھ فرق ہوسکتا ہے تو وہ فقہ کی کتب میں ہے، جبکہ فقہ اصل شریعت کی بجائے اس کی تشریح وتعبیر ہوتی ہے۔ تعبیر قانون تو کبھی عدالتوں میں بھی ایک نہیں ہوتی اس لیے وہ کبھی تناؤ کا باعث نہیں بن سکتی۔ آپ دیکھئے! فقہ کا اختلاف تو اہل حدیث اور احناف کے درمیان بھی ہے، اگر فقہ جھگڑوں کا باعث ہوتی تو پھر شیعہ سنی جیسا تناؤ ان کے درمیان بھی ہوتا۔ اللہ نظر بد سے بچا کر رکھے!'' آمین

اس لیے میں کہتا ہوں کہ کہ اس وقت جو شیعہ، سنی کشمکش برپا ہے، اس کا سبب نہ دینی مدارس ہیں اور نہ ان کا نصاب۔ نصاب کو مدون ہوئے اڑھائی سو سال گزر چکے، اگر نصاب کی بنا پر فرقہ وارانہ تصادم فروغ پاتا تو برصغیر کی ہزار سالہ تاریخ کبھی اس کے متعلق خاموش نہ رہتی اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں، شیعہ سنی ہمیشہ نہایت امن وسکون کے ماحول میں رہے ہیں۔ اب بھی شیعہ سنی بعض افراد کے درمیان تصادم کا اصل محرک ماضی قریب کی خارجی سیاست یا بین الاقوامی مداخلت ہے جو گزشتہ بیس پچیس سال کے دوران پروان چڑھی ہے۔ بعض

نوخیز تنظیموں کا جذباتی رویہ اسی خارجی سیاست اور بین الاقوامی کشمکش کا نتیجہ ہے جن کی ہم تائید نہیں کرتے۔اس لیے حکومت اگر پاکستان سے دہشت گردی کے خاتمہ میں مخلص ہے تو اسے اس کے حقیقی اسباب کا دیانت داری سے جائزہ لینا چاہیے۔فرقہ وارانہ تشدد کا حقیقی سبب نہ تو دینی مدارس کا نصاب ہے اور نہ ہی دینی مدارس اس شیطانی کام میں ملوث ہیں!!(33)

فرقہ واریت کے خاتمہ کیلئے تجاویز:

معاشرے سے فرقہ واریت کے خاتمہ کیلئے اور دینی مدارس کے نصاب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ڈاکٹر محمد امین صاحب نے تمام مدارس کیلئے ایک یکساں اور سب کیلئے قابل قبول نصاب مدون کرنے کی تجویز پر زور دیا ہے۔مذکورہ نصاب کے اہم خدوخال درج ذیل ہیں۔(34)

۱۔ قرآن حکیم کی تعلیم کو مرکزی حیثیت دی جائے۔تحفیظ و تجوید کے علاوہ سارا قرآن لفظی ترجمے اور صرفی و نحوی تشریحات کے ساتھ پڑھایا جائے اور منتخب حصوں کی تفسیر امعان نظر کے ساتھ پڑھائی جائے۔

۲۔ دورۂ حدیث کا موجودہ طریقہ چھوڑ کر جس میں بہت سی کتب سرسری انداز میں پڑھائی جاتی ہیں، حدیث کا مقابلتاً مختصر نصاب تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھایا جائے۔اصل مسئلہ جو قرآن و حدیث کی تعلیم میں پیش آتا ہے وہ متون کے انتخاب کا نہیں بلکہ طریق تدریس کا ہے۔طریق تدریس میں یہ تبدیلی کی جائے (اور اس کے مطابق نئی کتابیں مدون کی جائیں اور ان سے امتحان لیا جائے) کہ قرآن و حدیث کے ہر مسئلے میں مذاہب اربعہ،ظاہریہ اور اہل تشیع کا مسلک بھی بیان کیا جائے۔

۳۔ فقہ و اصول فقہ میں بھی موضوعات کا تعین کر لیا جائے اور ہر مسئلے پر مذاہب اربعہ، ظاہریہ اور اہل تشیع کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔اس تقابلی مطالعہ میں لازماً مروج ملکی قانون کو بھی شامل کیا جائے۔

۴۔ عربی زبان و ادب کی جدید اور موثر طریقے سے اس طرح پڑھایا جائے کہ پڑھنے کے ساتھ لکھنے اور بولنے کی صلاحیت بھی لازماً پیدا ہو اور یہ کام ابتدائی سالوں میں کیا جائے۔

۵۔ مندرجہ بالا مضامین کے عمیق مطالعے کے بعد مقابلتاً کم عمیق مطالعہ جن مضامین کا کیا جائے وہ یہ ہیں: قدیم علوم میں فلسفہ و منطق اور جدید علوم میں انگریزی زبان اور کمپیوٹر کے ساتھ ساتھ سماجی علوم (جیسے معاشیات، سیاسیات، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ) اور طبعی علوم (جیسے ریاضی، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی وغیرہ)

۶۔ علماء کے اندر اتحاد پیدا کرنے اور اختلافات ختم کرنے سے متعلق ایک خصوصی مضمون بھی طلبہ کو پڑھایا جائے۔ان اصولوں پر مدون نصاب سب کے لئے قابل قبول ہونا چاہیے کیونکہ اس میں سب کا برابر

حصہ ہے۔ کسی کی حق تلفی نہیں اور نہ کسی کو دوسرے سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ تقابلی مطالعے سے دوسروں کے نقطہ نظر اور ان کے دلائل کا پتہ چلے گا اور اس طرح قلب ونظر میں وسعت اور رواداری پیدا ہو اور فرقہ واریت بتدریج دم توڑ دے گی۔

تدریس علوم القرآن:

قرآن پاک علوم کا مرکز ومحور بلکہ منبع ومصدر ہے، سرمایہ حیات اور نورِ بصیرت ہے۔ اس کا مطالعہ انسان کو علم کی اوج گاہیں بھی عطا کرتا ہے اور کردار کی عظمت بھی۔ دینی مدارس کے موجودہ نصاب میں سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں قرآن کو براہ راست قرآن سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

تدریس قرآن کے تقاضے:

دینی تعلیم کی بنیادی قرآن مجید ہے، اس لئے دینی مدارس کے نصاب میں قرآن کریم کی براہِ راست تعلیم کو مرکزی حیثیت دی جائے۔ قرآنی فہم کی وسعت اور ہمہ گیریت کا احساس بیدار کیا جائے۔

نصاب میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ، لفظی اور بامحاورہ مع گرائمر کی تراکیب، منتخب حصوں کا تحقیقی او رتفسیری مطالعہ (جس میں لغوی، فقہی، کلامی اور معاصر تفاسیر سے استفادہ ہو) شاملِ نصاب ہونا چاہیے۔ نیز طلباء گروہی اور مسلکی عصبیت سے بالاتر ہو کر تفاسیر سے استفادہ کریں۔

تدریس حدیث:

دینی مدارس میں تدریس حدیث کے حوالے مولانا زاہد الراشدی فرماتے ہیں کہ:

''دورۂ حدیث کے طلبہ کی غالب اکثریت موجودہ طرز میں احادیث کے مضامین کا ادراک نہیں کر پاتی، اور احادیث کے اتنے بڑے ذخیرہ سے یوں گزر جاتی ہے جیسے کوئی شخص نیم خوابی کی حالت میں اونگھتے ہوئے کسی باغ میں گزر جائے اور بیان کرتا پھرے کہ میں نے باغ میں یہ دیکھا، وہ دیکھا۔'' (35)

تدریس حدیث کے سلسلے میں مولانا مودودیؒ نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''تعلیم حدیث، جیسی کہ محدث بننے کیلئے درکار ہے کہیں نہیں دی جاتی، درس حدیث کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے، وہ یہ ہے کہ جب فقہی اور اعتقادی جھگڑوں سے متعلق کوئی حدیث آجاتی ہے تو اس پر دو دو تین تین دن صرف کردیے جاتے ہیں۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو دین کی حقیقت سمجھاتی ہیں یا جن میں اسلام کا معاشی اور سیاسی اور تمدنی

اور اخلاقی نظام بیان کیا گیا ہے، یا جن میں دستورِ مملکت یا نظام عدالت، یا بین الاقوامی قانون پر روشنی پڑتی ہے، ان پر سے استاد اور شاگرد سب اس طرح رواں دواں گزر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی بات قابل توجہ ہے ہی نہیں'' (36)

اس سلسلے میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

''دورۂ حدیث کیلئے ایک سال کی مدت ناکافی ہے۔ اس مختصر سے وقت میں حدیث پاک پڑھنے پڑھانے کا حق ادا نہیں ہو پاتا اور عموماً ہوتا ہے کہ حدیث کے صرف معدودے چند ابواب تحقیق و تفصیل کے ساتھ ہو پاتے ہیں کہ سال ختم ہونے لگتا ہے، اور اس کے بعد کے حصے کی تکمیل نصاب کی بھاگ دوڑ کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ایک صحیح البخاری کو لے لیجئے، استاد اور شاگرد شب و روز محنت کرنے کے باوجود آخر سال میں انتہائی بھاگ دوڑ پر مجبور ہو جاتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں ہے جس رواروی میں گزار دیا جائے۔ اسی طرح دورۂ حدیث کی بعض انتہائی اہم کتب مثلاً طحاوی شریف اور مؤطا وی شریف اور مؤطا ئین کی تدریس وقت کی قلت کی بنا پر اکثر برائے نام ہوتی ہے، حالانکہ ان کو اہتمام سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ (37)

تدریس فقہ اصول فقہ:

دینی مدارس میں فقہ کی تعلیم کے بارے میں عام تأثر یہ ہے کہ:

''حدیث اور قرآن کی نسبت ان علماء و دینی مدارس کی توجہ فقہ کی طرف زیادہ رہتی ہے۔ لیکن اس میں زیادہ تر، بلکہ تمام تر جزئیات فقہ کی تفصیلات ہی توجہ کا مرکز رہتی ہیں۔ فقہ کی تاریخ، اس کا تدریجی ارتقاء، اس کے مختلف اسکولوں کی امتیازی خصوصیات، ان اسکولوں کے متفق علیہ او مختلف فیہ اصول اور ائمہ مجتہدین کے طریق استنباط، جن کے جانے بغیر کوئی شخص حقیقت میں فقیہہ نہیں بن سکتا، ان کے درس میں سرے سے شامل ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان چیزوں پر شاگرد تو درکنار، استاد بھی کم نگاہ رکھتے ہیں۔ رہیں اجتہادی صلاحیتیں تو ان کا پیدا کرنا سرے سے اس نظام تعلیم میں مقصود ہی نہیں، بلکہ شاید گناہ بھی ہے۔ اس لئے مجتہد تیار ہونے کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا'' (38)

عصر حاضر میں تجارت و معیشت کے شعبوں میں بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ:

''جس طرح حضرت امام محمدؒ بازاروں میں گھوم گھوم کر تاجروں کے معاملات کو پہلے سے از خود سمجھنے کا اہتمام فرماتے تھے، تا کہ ان تمام معاملات کا شرعی حکم مدون کر جائیں، اور استفتاء کے موقع پر مستفتی کی تشریح کے محتاج نہ ہوں، موجودہ دور کے اہل علم کا بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ اہل عصر کے معاملات کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کے

عہد حسب ضرورت تصنیف وتالیف کے ذریعے ان معاملات کا شرعی حکم امت پر واضح کریں۔ اس غرض کیلئے معاشیات کا اتنا علم جس سے اہل عصر کے معاملات ان کے تجارت کے مسائل کا علیٰ وجہ البصیرہ علم ہو سکے، ایک عالم دین کیلئے ضروری ہو گیا ہے(39)

منطق وفلسفہ کی تدریس:

منطق وفلسفہ کی تدریس کے سلسلے میں مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ:

''بعض حضرات یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یونانی فلسفے کے زوال کے بعد ان مضامین کو پڑھانے کی چنداں حاجت باقی نہیں رہی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بات بوجوہ درست نہیں، ان مضامین کی اہمیت کیلئے تنہا یہ بات بھی کافی ہے کہ ہمارے اسلاف کی کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ بالخصوص اصول فقہ، انہی علوم کی اصطلاحات اور منطقی انداز واسلوب پر مشتمل ہے۔ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس سے استفادہ کیلئے منطق وفلسفے کی واقفیت ضروری ہے، آج ''تفسیر کبیر'' جیسے دریائے علم سے استفادہ اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان منطق وفلسفے کا علم رکھتا ہو۔ لہذا ان مضامین کو یکسر ختم کر دینا ہمارے نزدیک سخت نقصان ہوگا۔ لیکن ان مضامین کو اسی حد تک پڑھانا چاہیے جس حد تک وہ اسلامی علوم کیلئے

زینے کا کام دیں۔ ان کو ایک مستقل علم مقصود کی طور پر پڑھنے پڑھانے کا واقعی اب کوء جواز نہیں، لہذا جہاں ان مضامین کی تعلیم مذکورہ ضرورت سے زائد ہو رہی ہے، وہاں اس کو ضرورت کی حد تک محدود کر کے دوسرے مضامین کیلئے گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ فلسفہ میں عنصریات اور فلکیات کے جو حصے اب تحقیق اور مشاہدے سے غلط ثابت ہو چکے ہیں، ان کی غلطی پر تنبیہہ کے ساتھ جدید تحقیقات پڑھانا ضروری ہے''(40)

عقائد اور علم کلام:

انسان کی زندگی میں اس کا عقیدہ مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ کسی مخصوص عقیدہ کی بنا پر ہی انسان اپنے تمام معاملات کو سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ اگر عقیدہ صحیح ہوگا تو اس کے تمام افعال کا نتیجہ کارآمد ہوگا، بصورت دیگر معاشرے میں میں بگاڑ کا سبب ہوگا۔ اسلام عقیدے کی بنیاد کتاب وسنت اور نصوص الٰہیہ ہیں۔ اس لئے عقیدے کی اصلاح اور پختگی کیلئے قرآنی اسلوب اور سنت رسول ﷺ ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتی ہیں۔

تدریس عربی ادب و بلاغت:

تدریس علم و بلاغت کے سلسلے میں مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے نظام تعلیم میں عربی صرف ونحو،ادب اور بلاغت کی تدریس پر ایک متعدبہ وقت صرف ہوتا ہے، لیکن یہ سارے علوم خالص نظریاتی انداز میں پڑھائے جاتے ہیں،اوران کی اعلیٰ تربیت اور مشق کا کوئی اہتمام باقی نہیں رہا،اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک طالب علم نحو وصرف کے قواعد ان کے خود ساختہ فلسفے اوراس پر وارد ہونے والے اعتراجات وجوابات کی بحثیں تو شرح جامی،عبدالغفور اور عصام وغیرہ کی مدد سے یاد کرلیتا ہے،لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ وہ چند سطریں عربی زبان میں لکھ دے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ اس کیلئے سخت دشواری ہوتی ہے، بلکہ بسا اوقات انہی قواعد کے اطلاق میں غلطیاں کرتا ہے جن کا پورا فلسفہ اسے ازبر ہے،اور اگر کوئی شخص نحو صرف کی غلطیوں سے محفوظ رہ جائے تو اسلوب وانشاء کی غلطیاں تو لازماً ہوتی ہیں''۔(41)

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس کے ماحول کو صحیح عربی طرز میں ڈھالنے کی طرف توجہ دی جائے۔

عربی ادب و بلاغت کا تقاضا ہے کہ اسلامی دنیا کے متحد ہونے اور عالم اسلام کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے ملک میں عربی تحریر وتقریر کی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے افراد پیدا ہوں۔

خلاصہ بحث

نصاب کے حوالے سے دینی مدارس میں مروجہ نصاب،عصری مسائل وتقاضوں پر بحث کی گئی۔جدید علوم کی اہمیت اور تقاضوں پر روشنی ڈالی گئی۔اس کے بعد جدید ذرائع ابلاغ اور دینی مدارس کے کردار کا جائزہ لیا گیا۔انگریزی زبان کی تعلیم کی اہمیت کو بیان کیا گیا۔دینی مدارس میں تحقیق وتخصیص،اعلیٰ تعلیم ،تاریخ اور مذاہب عالم کے مطالعہ کی اہمیت کو بھی بیان کیا۔دینی مدارس کے نصاب اور فرقہ واریت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بھی بیان کیا گیا کہ فرقہ واریت کی ترویج واشاعت کے ذمہ دار کون ہیں اور اس کے خاتمے کی تجاویز پر روشنی ڈالی اور دینی مدارس میں مختلف علوم کی تدریس اور عصر حاضر کے تدریسی تقاضوں پر بحث کی گئی۔

سفارشات:

دینی مدارس کے نصاب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اور مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کو معاشرے کا ایک اہم اور کارآمد جزو بنانے کے لئے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

i۔ نصاب میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ لفظی اور بامحاورہ مع گرائمر کی تراکیب شامل کیا جائے۔

ii۔ قرآن کریم کے منتخب حصوں کا تحقیقی اور تفسیری مطالعہ (جس میں لغوی، فقہی، کلامی اور معاصر تفاسیر سے استفادہ ہو) شامل نصاب ہونی چاہیے۔

iii۔ سنت کی اہمیت اور حجیت حدیث پر دور حاضر کے اعتراضات وشبہات کے جوابات ذہن نشین کرائے جانے چاہییں۔

iv۔ مطالعہ سیرت النبی ﷺ بھی شامل نصاب ہونا چاہیے۔

v۔ دور جدید کے مسائل مثلاً بلاسود بنکاری اور عائلی قوانین وغیرہ کو الگ مباحث کے طور پر پڑھایا جائے۔

vi۔ دینی مدارس کے نصاب میں عقیدے کی بحث کے مرکزی موضوعات مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود، تقدیر یا آخرت وغیرہ پر گہرا فہم شامل ہونا چاہیے۔

vii۔ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار، ان واقعات کے محرکات پر بحث، مسلم حکمرانوں کی دینی، سماجی، معاشی حکمت علمی کے فہم اور مستقبل پر اس کے بحث ومضمرات کا مطالعہ شامل نصاب ہونا چاہیے۔

viii۔ عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دینی مدارس میں تحقیق وتخصص کے شعبوں کا اجراء کیا جائے اور معیاری تحقیق کے ذریعے امت مسلمہ کے اندر پیدا شدہ انتشار وافتراق کو ختم کیا جائے نیز مغرب کے پیدا شدہ الحاد اور تشکیک کا رد کیا جائے۔

ix۔ جدید سائنسی علوم میں طبیعات، حیاتیات، کیمیا اور جدید سماجی علوم اور بین الاقوامی امور کا تعارفی تنقیدی مطالعہ بھی شامل نصاب ہونا چاہیے۔

x۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی، عربی زبان میں مہارت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان پر دسترس ضرور حاصل کرنی چاہیے۔

xi۔ مدارس کے بنیادی اہداف میں ایسا نصاب مرتب ہو جو دینی علوم کی حفاظت، عام مسلمان کا دین سے ساتھ تعلق قائم ہونا، اگلی نسلوں تک دینی علوم وروایات بحفاظت منتقل کرنا۔ نیز دینی مدارس میں دینی اور عصری علوم کی تعلیم کا امتزاج ہو۔

xii۔ بین الاقوامی سطح پر مدارس کے خلاف پروپیگنڈے کا مؤثر علمی جواب دینے کے لئے کوئی نہ کوئی بین الاقوامی سطح کا جریدہ ضرور شائع ہونا چاہیے۔

xiii۔ مدارس میں قرآن، حدیث، فقہ کے تدریس کے ساتھ ساتھ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ، سمینارز کا انعقاد ضروری ہے۔

حوالہ جات

1۔ سلیم منصور، دینی مدارس میں تعلیم،ص55،انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد،2004

2۔ صدیقی،بختیار حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ص32-31،ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور،1982

3۔ محمد انور بن اختر، دینی مدارس کی خدمات اور اہل مغرب کی دشمنی،ص158،ادارہ اشاعت اسلام کراچی،2004

4۔ ندوی،سید سلیمان حسینی، ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟ص43،مجلس نشریات اسلام کراچی۔2004

5۔ ندوی،سید سلیمان حسینی، ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟ص45،مجلس نشریات اسلام کراچی۔2004

6۔ سلیم منصور، دینی مدارس میں تعلیم،ص28،انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد،2004

7۔ ایضاً ص68

8۔ ایضاً،ص68

9۔ محمد امین،ڈاکٹر، ہمارا دینی نظام تعلیم،ص156،دارالاخلاص(مرکز تحقیق اسلامی)،لاہور،2004

10۔ اکیسویں صدی میں پاکستان کے تعلیمی تقاضے،ص115

11۔ محمد امین،ڈاکٹر، ہمارا دینی نظام تعلیم،ص194

12۔ عمری،جلال الدین،عورت اسلامی معاشرہ میں،ص384،اسلامک پبلیکیشنز لاہور،1999

13۔ ماہنامہ محدث،ص9،دسمبر2005،لاہور

14۔ ندوی،سید ابوالحسن علی، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک،ص254،مجلس نشریات اسلام کراچی

15۔ ماہنامہ محدث،ص6،دسمبر2005،لاہور

16۔ ماہنامہ ترجمان القرآن،ص73،جون2003

17۔ کاروان زنگی،ص229-228،ج1

18۔ سلیم منصور، دینی مدارس میں تعلیم،ص334

19۔ ابراہیم(3:14)

20۔ محمد اکرم،موج کوثر،ص90،ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور،1997

21۔ محمد سلیم،پروفیسر، دینی مدارس کے لیے نصاب نو کی تجاویز،ص36-35،ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور،1986

22۔ سلیم منصور، دینی مدارس میں تعلیم، ص54

23۔ محمد امین، ڈاکٹر، ہمارا دینی نظام، ص194

24۔ ندوی، سید ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص60، مجلس انشریات اسلام کراچی، 1981

25۔ محمد امین، ڈاکٹر، ہمارا دینی نظام تعلیم، ص203

26۔ ماہنامہ محدث، ص6 ستمبر 2004

27۔ میواتی، شبیر احمد، دینی مدارس اور عصر حاضر، ص70، الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ، 2007

28۔ ایضاً، ص29

29۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، ہمارا تعلیمی نظام، ص99 مکتبہ دارالعلوم کراچی، 2002

30۔ حقیقت دین، ص127

31۔ ترجمان القرآن، ص7، جولائی 1955

32۔ غازی، محمود احمد، اکیسویں صدی پاکستان کے تعلیمی تقاضے، ص112، پاکستان اسلامک ایجوکیشنل کانگرس، 2001

33۔ ماہنامہ محدث، ص20-19، فروری 2002

34۔ محمد امین، ڈاکٹر، ہمارا دینی نظام تعلیم، ص294

35۔ زاہد الراشدی، مولانا، مغربی ممالک میں مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں، ص72، الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ، 1993

36۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تعلیمات، ص140، اسلام پبلی کیشنز لاہور، 1978

37۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، ہمارا تعلیمی نظام، ص105

38۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تعلیمات، ص140

39۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، ہمارا تعلیمی نظام، ص103-102

40۔ ایضاً 105

41۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، ہمارا تعلیمی نظام، ص96